مروجہ طریقِ اجرت میں حلال وحرام سے متعلق فقہی آرا کا مطالعہ

(A Study of Jurisprudential discourses regarding *Ḥalāl* and *Ḥarām* in the Prevailing Means of Wages)

سمیعہ مجاہد*

**نگہت رسول

***ڈاکٹر سمیع اللہ

Abstract

There are many misconceptions among the people about the means that are prevalent in the contemporary world regarding wages in various jobs, whether these are permissible according to *Sharī'ah* or not? In this age, when interest is often involved in almost all forms of employment, the question has become more important that when the same system is in place, what is the approach to interest and avoid *Ḥarām* as much as possible. In this article, we look at the *Sharī'ah* perspective on the various forms of wages in Pakistan. It has been kept in mind that interest seems to be present everywhere in one form or another, but in different cases it is possible to avoid *Ḥarām* in terms of salary or wages. In this regard, the *Sharī'ah* position on the three forms of usury system has been discussed: direct interest system, indirect interest system, combination of *Ḥalāl and Ḥarām*. The study suggests that it is necessary to avoid all the means of livelihood which make it close to suspicion or *Ḥarām*.

* لیکچرر اسلامیات، گورنمنٹ کالج ویمن یونی ورسٹی، سیالکوٹ

**اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات، گورنمنٹ علامہ اقبال کالج، خادم علی روڈ سیالکوٹ

***لیکچرر عربی، یونی ورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

Although there is a principle of ease in religion, it is not permissible to go to extremes in order to achieve ease.

Key Words: Wages, *Ḥalāl, Ḥarām,* Jurisprudential discourses

مختلف نوکریوں وغیرہ میں اجرتوں کے حوالے سے جو طریقے معاصر دنیا میں رائج ہیں ان کے بارے میں لوگوں میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں کہ آیا یہ شرعا جائز ہیں یا نہیں؟ موجودہ دور میں چونکہ اکثر وبیشتر نوکریوں میں سود کا کسی نہ کسی حوالے سے عمل دخل ہوتا ہے، اس تناظر میں یہ سوال زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ جب ہر طرف یہی نظام ہے تو اس میں کون سی روش اختیار کی جائے کہ سود اور حرام سے جہاں تک ممکن ہو بچا جاسکے۔ اس مقالے میں ہمارے پیش نظر زیرِ نظر تناظر میں پاکستان میں رائج نظامِ اجرت میں مختلف صورتوں میں ملنے والی اجرتوں کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر کی دریافت ہے۔ اس میں یہ بات پیش نظر رہی ہے کہ سود تو کسی نہ کسی صورت میں ہر جگہ موجود نظر آتا ہے، لیکن اس کی مختلف صورتوں میں تنخواہ یا اجرت کے حوالے سے کس میں حرام سے بچنا زیادہ سے زیادہ ممکن ہے، اور کون سی صورتیں حرام یا مشتبہ ہیں، جن سے احتراز کرنا چاہیے؟ اس ضمن میں سودی نظام اجرت کی تین صورتوں پر شرعی پوزیشن کے حوالے سے بحث کی گئی ہے: (1) براہ راست سودی نظامِ اجرت (2) بالواسطہ سودی نظامِ اجرت (3) حلال وحرام کا مجموعہ۔

1۔ براہ راست سودی نظامِ اجرت

اس قسم میں ملازمین اپنی اجرت ایسے ادارے، فرم یا کمپنی سے حاصل کرتے ہیں جو براہ راست سودی معاملات میں ملوث ہوتی ہے یا سودی کاروبار کرتی ہے۔ اس کی درج ذیل مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں:

سودی اداروں کے ملازمین: ایسے تمام ادارے جو ربا النسیہ، ربا الفضل[1] میں براہِ راست ملوث ہیں، کیا وہاں اجرت حاصل کرنا سودی معاملات میں تعاون کرنے کے مترادف ہے؟ ایسی ملازمت سے حاصل ہونے والی آمدنی کے متعلق علمائے کرام کی آرا مختلف ہیں۔ ایک گروہ کے مطابق بینک میں ایسی نوکری جس کا ربا سے کسی قسم کا تعلق نہیں، بھی ناجائز ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: هم

[1] ربا الفضل: ربا کی دوسری قسم جسے ربا الحدیث بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد یک جیسی اشیاء کا تبادلہ جن کا وزن اور مقدار برابر نہ ہو مثل گندم کے بدلے گندم "عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ النَّبِيِّ(ﷺ) قَالَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَ الْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَ التَّمْرُ بِالتَّمْرِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَ الْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَ الشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ مِثْلًا بِمِثْلٍ فَمَنْ زَادَ أَوْ ازْدَادَ فَقَدْ أَرْبَى بِيعُوا الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ كَيْفَ شِئْتُمْ يَدًا بِيَدٍ وَ بِيعُوا الْبُرَّ بِالتَّمْرِ كَيْفَ شِئْتُمْ يَدًا بِيَدٍ وَ بِيعُوا الشَّعِيرَ بِالتَّمْرِ كَيْفَ شِئْتُمْ يَدًا بِيَدٍ (مسلم، الجامع الصحیح، 1: 244)

سواء۔[2] "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے، دینے، حساب لکھنے اس کی شہادت دینے والوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ وہ سب لوگ (گناہ میں) برابر ہیں۔" اس میں سودی معاملات کرنے والوں کی بیع لکھنے، گواہی دینے کی صراحتا تحریم وارد ہوئی ہے[3] اور بینک میں تنخواہ بینک میں موجود رقوم کے مجموعے سے ملتی ہے، لہٰذا یہ جائز نہیں۔ دوسرے گروہ کے مطابق بینک میں ایسی جاب جو ربا سے پاک ہو، جائز ہے۔ اس کی بنیاد وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ملازمین کو ملنے والا معاوضہ اگرچہ مخلوط مال سے ہے، جس میں لوگوں کے کھاتوں میں جمع شدہ حلال ، بنک کی مستعار، سود پر دیے جانے والے قرض کا نفع سب شامل ہیں۔ پہلی دو قسم کی جو پاکیزہ ذرائع سے ہیں بہ نسبت آخری کے زیادہ ہیں، الحاصل اس مخلوط نقدی سے جب ایسے امپلائی کو تنخواہ دی جائے، جس کا سودی معاملات سے کوئی تعلق نہیں نا جائز نہیں۔ یہ گروہ آیت وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ[4] سے استدلال کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ قریبی سبب کی دو اقسام ہیں وہ سبب جو محرک اور نافرمانی کا باعث ہے، اگر اسے لاحق نہ ہو، جس کی وجہ سے فاعل نے اس طرف پیش قدمی کی، دوسرا وہ سبب جو نہیں ہے، اس جیسا لیکن وہ معصیت پر مددگار ہے، اپنی خواہش تک پہنچنے میں، پہلی قسم نصِ قرآنی کی روشنی میں منع ہے، دوسرے اگر ان احداث کے سوا خدمت بجالاتا ہے، یہ مکروہ تحریمی ہے پھر اگر وہ کام (نوکری) کا محتاج ہے، یہ مکروہ تنزیہی ہے" ابن عابدین نے فاعل کے احتیاج کی توجیح بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه[5] " ناپاک رزق کا کمانا جائز ہے جب عذر اس کے صاحب پر ہو:

> ثم السبب القريب ايضاً على قسمين:سبب محرک وباعث على المعصية بحيث لولاه لما اقدم الفاعل عين هذه المعصية وسبب ليس كذلک ولكنه يعين لمريد المعصية ويوصله الى ما يهواه القسم الاول حرام بنص القرآن،والثانى ان كان بحيث يعمل به من دون احداث صنعة منه يلتحق به يكره تحريما،وان كان يحتاج الى عمل وصنعة يكره تنزيها۔ [6]

سود پر قرض سے نفع کا حصول (ربا النسیہ)

[2] مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح (بیروت: دار الفکر، 2000م)، 2:27۔

[3] ابو زکریا یحی بن شرف النووی، المنہاج فی شرح صحیح مسلم (بیروت: دار الفکر، 1998م)، 8:56۔

[4] المائدہ 6: 2۔۔

[5] محمد امین بن عمر بن عبد العزیز بن احمد ابن عابدین، رد المختار علی در المختار (بیروت: الناشر عالم الکتب، 2003م)، 6:386؛ مجلس دعوت و تحقیق اسلامی، فتاویٰ بینات (کراچی: مکتبہ بینات جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، 2000م)، 4: 75 - 86 .

[6] ابو بکر احمد بن علی الرازی جصاص، احکام القرآن (بیروت: دار المعرفہ، 2000م)، 2: 122۔

عموما ملازمین اپنا سروس کارڈ دکھا کر بینک سے کچھ شرائط کے تحت قرض حاصل کرتے ہیں۔استعفادہ کی یہ مروج شکل (بینک سے یا کسی شخص سے لون لینا) زمانہ جاہلیت کے ربا النسیہ جیسا ہی ہے[7] کیونکہ اس میں ایک مخصوص مقدار طے کی جاتی ہے، جو قرض واپس کرتے وقت ادا کی جاتی ہے اسی کو ربو القرآن ،ربا کرم ،ربا النسیہ فرمایا گیا،[8]اس بارے میں "نظریہ محنت"کے حامی مارکس اپنی کتاب "سرمایہ"میں یہ توجیح دیتے ہیں کہ روپیہ قرض پر دینے کی صورت میں انسان جو انتظار کرتا ہے، یہ اس کا نفع ہے نہ کہ مال پر زائد مال وصول کرنا المختصر روپیہ کو کرایہ پر دینے کا صلہ ہے۔[9]لیکن حدیث نبوی: كل قرض جرّ منفعة فهوربا[10]"ہر ایسا قرض جو نفع لائے وہ سود ہے۔ "، نے اس سے منع فرمایاہے، نیز فقہ کا اصول ہے: التابعُ لا يَتَقَدَّمُ عَلَى الْمَتْبُوْعِ[11] ."تابع کو متبوع پر مقدم نہیں کیا جاسکتا۔" بعض لوگ کہتے ہیں زیادہ نفع منع ہے، لیکن مناسب یا کم جائز ہے۔ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:فِيْ الْعُقُوْدِ العِبْرَةُ لِلْمَقَاصِدِ وَالْمَعَانِيْ لاَ لِلْأَلْفَاظِ وَالْمَبَانِيْ . اَلْعِبْرَةَ لِلْغَالِبِ الشَّائِعِ لاَ لِلنَّادِرِ[12]"معاملات میں مقاصد ومعانی ہی کا اعتبار ہوتا ہے، الفاظ وعبارت کا نہیں، رائج وغالب حیثیت کا ہی اعتبار ہوتا ہے، نادر و کم یاب کا نہیں۔" یہ اُصول اس حدیث سے ماخوذ ہے: ما اسكركثير ه فقليله حرام"جس کی اکثریت نشہ میں مبتلا کردے، اس کی کم مقدار بھی حرام ہے۔"معروف فقیہ ابن عبد البر مالکی (م 463ھ) فرماتے ہیں۔"مسلمانوں کا اپنے نبی ﷺ کے کہنے پر اس امر پر اجماع ہو چکا ہے کہ اُدھار پر اضافے کی شرط لگانا سود ہے، بیشک اضافہ ایک مٹھی گھاس ہو یا ایک دانہ۔[13]بعض کے نزدیک یہ تجارت ہے[14]، جب کہ تجارت میں نفع کے ساتھ نقصان کا بھی امکان ہوتا ہے، ربا کی صورت میں اضافہ لازمی ہوتا ہے[15]، نیز تجارت میں

---

[7]ابو عبداللہ محمد بن عمر رازی، مفاتیح الغیب (بیروت: دار المعرفہ،2000م)،351:2 .

[8] مسلم بن حجاج، الجامع،145:2۔

[9]کارل مارکس، سرمایہ (کراچی: ادارہ اسلامیات, 1990م)، ص: 45،لیون ٹراسکی، مارکسزم ہمارے عہد میں (https://Marxist.com1939)

[10]محمد الأمین بن محمد المختار بن عبد القادر الشنقیطی، اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن (بیروت: دار الفکر،1998م)،209 - 301, طبرانی سلیمان بن احمد، المعجم الکبیر (بیروت: دار الکتب العربیہ،2000م)،28:1.

[11] زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم، الاشباہ والنظائر فی اصول الفقہ (بیروت: دار العربیہ،2001م),365:1

[12] ڈاکٹر وہبہ ذحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ (بیروت: دار الکتب العربیہ،2009), ص:9.

[13] ابو عمر بن یوسف بن عبداللہ بن محمد، ابن عبد البراء، التمہید (بیروت: دار الکتب العربیہ،2000م),68:4

[14]قالوا إِنَّمَا البَيعُ مِثلُ الرِّبواۘ وَأَحَلَّ اللَّهُ البَيعَ وَحَرَّمَ الرِّبواۚ(البقرة:275) سود خوروں نے کہاکہ سود اور تجارت ایک ہی چیز ہیں جبکہ اللہ نے بیع (کے اضافے) کو تو حلال کیا ہے اور سود کے اضافہ کو حرام کیا ہے

[15]ابن عابدین، در مختار،204:6 .

کسی جنس کو نقدی کے بدلے خریدا یا فروخت کیا جاتا ہے۔ اس جنس کی تیاری میں انسانی قوتیں صرف ہو کر قابل فروخت بناتی ہیں، حاصل ہونے والا نفع دراصل انسانی کاوشوں کا ثمرہ ہے،[16] جب کہ ربا میں معاوضہ سود ہے جو جائز نہیں۔[17] سود پر قرض کی ایک ہی کراہتاً صورت جائز ہے، جب انسان عاجز ولاچار، کمانے کی سکت نہ رکھتا ہو، سود پر قرض کے سوا کہیں سے قرض نہ مل رہا ہو: يَجُوزُ لِلْمُحْتَاجِ اَلِاسْتِقْرَاضُ بِالْرِبْحِ-[18]

حسن القضاء شرعاً جائز؟

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے اگر کوئی قرض واپس کرتے وقت اپنی خوشی سے بہتر واپس کرے تو یہ ہدیہ ہے، سود نہیں، جیسے نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص سے اونٹ قرض لیا واپسی کے تقاضے پر بہتر اونٹ دینا کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: "تم میں وہ شخص بہتر ہے جو قرض اچھی طرح ادا کرے۔"[19]

بونس/الاؤنس

ادارے یا فرم حوصلہ افزائی، پیداواری بڑھوتری اسکیم یا ایک معاہدے کے تحت (اگر کمپنی کو منافع کی شرح مطلوبہ گراف تک بلند ہو جائے) اپنے امپلائیز کو بعض اوقات کچھ مراعات دیتے ہیں، جسے بونس کہتے ہیں۔ اس کی درج ذیل دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

1۔ تبرع: تمام فقہا کے نزدیک بغیر کسی شرط و معاہدے کے اعزازی طور پر ملنے والا بونس فقہی اصول الاَمُورُ بِمَقَاصِدِهَا" کاموں کا دارومدار ان کے مقاصد پر ہوتا ہے۔" کی روشنی میں جائز اور تبرع ہے۔ جیسا کہ درالمختار اور البحر الرائق میں ہے: وَسَبَبُهاَ إِرَادَةُ الْخَيْرِ لِلْوَاهِبِ دُنْيَوِيٌّ كَعِوَضٍ وَمَحَبَّةٍ وَحُسْنِ ثَنَاءٍوَالمُحَبةِ مِنَ المَوهُوبُ لَهُ[20] "ہدیہ دینے والے کے عوض کی طرح دنیوی اچھے ارادے کو ظاہر کرتا ہے جس کی غرض موہوب لہ کے لیے محبت اور حوصلہ افزائی ہے۔"، جیسے نبی مکرم ﷺ نے کعب بن زہیر، حسان بن ثابت کو ہدایہ عطا فرمائے، حضرت عمر فاروق نے ام عمارہ کو ایک ڈوپٹہ ان کی جہادی خدمات کو سراہتے ہوئے دیا۔[21] امام سیوطیؒ شعائرِ رسول ﷺ سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: الْأَصْلُ فِي الْأَشْيَاءِ الْإِبَاحَةُ حَتَّى يَدُلُّ الدَّلِيلُ عَلَى التَّحْرِيمِ.هَذَا مَذْهَبُنَا، وَعِنْد أَبِي حَنِيفَةَ: الْأَصْلُ

[16] فی کل ذات کبد رطبۃ اجر "ہر تر جگر والے کی محنت کا اَجر (بدلہ) ہے" (بخاری، الصحیح، رقم الحدیث: 2466)

[17] دیکھیے: مفتی محمد شفیع، مسئلہ سود (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، 2003م)، 54۔

[18] ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، 1: 368۔

[19] ابو عیسی محمد بن عیسیترمذی، الجامع (بیروت: دار الکتب العربیہ، 1998م)، الرقم: 1318، ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ، السنن، کتاب البیوع (بیروت، دار المعرفہ، 2000)، رقم الحدیث: 4622۔

[20] ابن نجیم زین الدین بن ابراہیم بن محمد، البحر الرائق شرح کنز الدقائق (بیروت: دار الفکر، 1998م)، 5: 283

[21] عزالدین بن الاثیر ابی الحسن علی بن محمد الجزری، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ (بیروت، عالم الکتب، 1997م)، 2: 156۔

فِيهَا التَّحْرِيمُ حَتَّى يَدُلَّ الدَّلِيلُ عَلَى الْإِبَاحَةِ[22] ""معاملات میں اباحت اصل ہے، اگر دلیل اس کی حرمت پر دلالت کرے یہ ہمارا مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس میں حرمت اصل ہے جب تک دلیل اباحت پر دلالت کرے۔"

2۔مشروط بونس: اگر بونس کسی شرط کے ساتھ مشروط ہے، پھر یہ بیع شرط کہلائے گا جس کے بارے میں حدیث وارد ہے: أنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهى عَنْ بَيْعٍ وَشَرْطٍ۔[23] "نبی ﷺ نے مشروط بیع سے منع فرمایا ہے۔" مشروط بونس کی جائز اور مفسد دو صورتیں ہیں: **جائز شرائط:** ایسی شرائط جس میں حرام یا فساد کا شائبہ تک نہ ہو مثال کے طور پر ادارے یا سینیئر کی جانب سے ایسی پیشکش جس میں مطلوبہ ہدف حاصل کرنے کی صورت میں بونس ملنا، کمپنی کو طے شدہ شرح منافع سے زائد منافع امورِ حلت کو پیش نظر رکھ کر کمایا جائے، کوئی خاص ذمہ داری باحسن سرانجام دینے کی صورت میں اعزاز، یا تعلیمی رحجان کو بڑھانے کے لیے مختلف درجات پر الاؤنس دینا جیسے ایم فل الاؤنس، پی ایچ ڈی الاؤنس وغیرہ تو یہ مشروط بونس ہونے کے باوجود الاَمُورُ بِمَقَاصِدِهَا[24] کے تحت جائز ہوں گے۔امام شافعیؒ کے قول سے بھی اس کی توثیق ہوتی ہے: ان مقصود الشرع من الخلق خمسةوهو ان يحفظ عليهم دينهم ،و نفسهم وعقلهم ونسلهم و مالهم وكل ما يتضمن حفظ هذہ الاصول الخمسة فهو مصلحة وكل ما يفوت هذہ الاصول فهو مفسدة ودفعها مصلحة[25] "بیشک خلق میں شرع کے مقاصد پانچ ہیں، ان کے دین، نفس، عقل، نسب، مال کی حفاظت اور حفاظت کے ان پانچوں اصولوں میں پیش نظر مصلحت ہے۔ہر وہ چیز جو ان اصولوں سے فوت ہو جائے وہ مفسد ہے اور مصلحت کو روکنے والی ہے۔ موسوعۃالفقہیۃ کے مطابق وہ انعام جو کسی التزام کے سبب دیا جائے، منعِم التزام کرتا ہے کہ وہ کسی خاص واقعہ کے وقوع پر انعام دے گا جس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا آیا وہ واقع ہو گا یا نہیں جائز ہے۔اس کے جواز کی شرائط یہ ہیں کہ یہ محض تبرع ہو، منعَم کو مخاطرہ یعنی مقابلہ میں شامل ہونے کے عوض نہ دے"[26] لہٰذا جائز شرائط کے تحت ملنے والا بونس انسانی مصلحت میں شمار ہونے کی وجہ سے حلال ہوگا۔ **مفسد شرائط:** اگر ملنے والا بونس فاسد شرائط کے ساتھ مشروط ہو، جیسے کمپنی کے حریف کو نقصان پہنچانا، کسی ادارے کی ساکھ کو متاثر کرنا وغیرہ یہ صریحا حرام ہوگا ابن عابدین فرماتے ہیں: كُلُّ شَرْطٍ لاَيَقْتَضِيْهِ الْعَقْدُ وَفِيْهِ مَنْفَعَةٌ لِأَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ اَوْ

---

[22] جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی، الاشباہ والنظائر فی قواعد وفروع فقہ الشافعیہ (بیروت: دارالعربیہ، 1983م، 60؛ابوالعباس احمد بن ادریس قرانی، الفروق (بیروت، عالم الکتب، 1998م) 2:282۔

[23] علی بن ابی بکر ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (بیروت: دارالفکر، 2000م)، 4:185۔

[24] زرکشی بہادر بن عبداللہ، البحر المحیط (بیروت، دارالمعرفہ، 1995)، 1، 1:65۔

[25] غزالی ابو حامد محمد بن محمد، المستصفی من علم الاصول (بیروت: دارالفکر العربیہ، 2004م)، ص:204

[26] موسوعۃالفقہیہ (بیروت: دارالفکر، 2000م)، 9:322۔

لِلْمَعْقُوْدِ عَلَيْهِ وَہُوَ مِنْ اَہْلِ الْاِسْتِحْقَاقِ فَيَفْسُدُ[27] "ہر وہ شرط جس میں کسی معاہدے کا تقاضا نہ ہو اور معاہدین میں سے ایک کے لیے نفع مند ہو یا معقود علیہ پر استحقاق پیدا کرنے کے لیے ہو، پس وہ معاملہ مفسد ہے۔"[28] اگر کہا جائے مستاجر آجر کے حکم کا پابند ہے، معاوضہ اپنی خدمات کے صلہ میں لیتا ہے، پھر معاملہ اشتباہ کے سبب درست نہ ہوگا کیونکہ فقہی قاعدہ ہے: اذا تعارض الدليلان احدهما يقتضى التحريم والاخر الاباحة قدم التحريم[29] "جب دو دلیلیں متعارض ہوں ایک حرمت کی متقاضی دوسری اباحت کی، حرمت والی دلیل قبول کی جائے گی۔" ابن نجیم فرماتے ہیں: والباطل هو كل طريق لم تبحه الشريعة ، فيدخل فيه السرقة، والخيانة ، والغصب، والقماروعقود الربا وقال السدي: هوان ياكل بالربا والقمار والبخس والظلم، وغيره ذلک مما لم يبح الله تعالى أكل المال فيه۔[30] "ہر وہ طریقہ باطل ہے جسے شریعت نے جائز قرار نہیں دیا پس اس میں چوری، بددیانتی، ظلم، جوا اور سود پر مبنی سودا بازی شامل ہے۔ اور سدی نے کہا: جوا، ظلم اور زیادتی کے ذریعے مال کا کھانا باطل ہے، اس طرح ہر وہ چیز جس کا کھانا اللہ تعالیٰ نے مباح (جائز) قرار نہیں دیا، کیونکہ اگر انعام میں ایسی شرط ہو تو وہ عقود معاوضہ میں داخل ہوگا جن میں غرر اور مخاطرہ حرام ہوتے ہیں اور اس میں قمار (جوا) ہوتا ہے۔"

2۔ بلاواسطہ سودی نظامِ اجرت

اس کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، جن میں سے چند قابلِ ذکر درج ذیل ہیں:

ملکیت کے بدل جانے سے مال کی حیثیت کا بدل جانا

محدثین و فقہاکے نزدیک سرکاری وغیر سرکاری ملازمین جو براہ راست سودی نظام کا حصہ نہیں لیکن انھیں تنخواہ اسی نظام سے حاصل ہوتی ہے، وہ انٹرسٹ نہیں بلکہ حقِ محنت ہے۔ اس نظام کی جوابدہی معاشرے کے ہر فرد سے نہیں بلکہ اُن اداروں کے منتظمین سے ہوگی، کیونکہ ملکیت کے بدل جانے سے مال کی نوعیت کا بدل جانا حدیثِ نبوی ﷺ سے مستنبط ہے: عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِلَحْمٍ، قَالَ: مَا هَذَا؟، قَالُوا: شَيْءٌ تُصُدِّقَ بِهِ عَلَى بَرِيرَةَ، فَقَالَ: هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ، وَلَنَا هَدِيَّةٌ۔[31] "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گوشت پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: یہ کیسا ہے؟ عرض کی گئی کہ بریرہ

[27] کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی ابن الہمام، فتح القدیر (بیروت: دار الفکر العربیہ، 2000م)، 26:3؛ ابن نجیم، البحر الرائق، 182:5۔

[28] المائدۃ، 90:6

[29] ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، 109 ۔

[30] ابن نجیم، البحر الرائق، 284:7۔

[31] ابو داود، سلیمان بن اشعث، السنن (بیروت: دار الفکر، 2000)، 2: 124، رقم الحدیث: 1655.

کو صدقہ دیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ اس کے لیے صدقہ اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔" بنابریں سودی نظام کا وبال اولی الامر اور اس کے منتظمین پر پر ہے، ملازمین حقِ محنت وصول کرتے ہیں۔ بدر الدین عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ہیناِلأَنَّها تحولت عَن معنى الصَّدَقَة بِملك الْمُتَصَدّق عَلَيْهِ بهَا، وانتقلت إِلَى معنى الْهَدِيَّة الْحَلَال لرَسُول الله، صلى الله عَلَيْهِ وَسلم[32]" کیونکہ وہ(گوشت) صدقہ کے معنی سے ملکِ متصدَق میں منتقل ہو کر ہدیہ کہلایا جو رسول اللہ ﷺ کے لیے حلال ہے۔" ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث سے ملکیت کے بدل جانے سے مال کی حیثیت کا بدل جانے کے جواز کو مستنبط کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ويستنبط من هذه القصة جواز استرجاع صاحب الدين من الفقير ما أعطاه له من الزكاة بعينه وأن للمرأة أن تعطي زكاتها لزوجها ولو كان ينفق عليها منها وهذا كله فيما لا شرط فيه والله أعلم[33]" اور اس قصہ سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ فقیر کا مالدار کو مال زکوۃ سے کچھ دینا جائز ہے اور بیشک عورت اپنے شوہر کو زکوۃ دے سکتی ہے اور پھر اگرچہ وہ (شوہر) اسی (بیوی) پر خرچ دے، اسی طرح ہر معاملے میں ہوگا یہ کسی بات سے مشروط نہیں ہے واللہ اعلم۔" امام بیضاوی نے بھی ملکیت کی تبدیلی سے شے کی نوعیت بدل جانے کی توثیق فرمائی ہے: اذا تصدق على المحتاج بشيء ملكه وصار له كسائر ما يملكه فله أن يهدي به غيره كما له أن يهدي سائر أمواله بلا فرق[34]" جب محتاج پر کوئی چیز صدقہ کی جاتی ہے، تو وہ اس کی مکمل ملکیت بن جاتی ہے، پھر اس کے پاس اختیار ہے کہ وہ کسی اور کو اپنا سارا مال بغیر کسی تفریق کے ہدیہ کردے۔" فقہاے اسلامیہ نے بھی اس نقطے کو قبول کرتے ہو ملکیت کی تبدیلی سے نوعیت کی تبدیلی کو درست قرار دیا ہے جیساکہ ابوبکر کاسانیؒ فرماتے ہیں: وأما صدقة التطوع فيجوز صرفها إلى الغني؛ لأنها تجري مجرى الهبة[35]" اور صدقہ کا مال غنی پر خرچ کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ اس کے (غنی) حق میں ہبہ ہے۔" ابن نجیمؒ کے قول سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے: لا ن صدقة علي الغني هبة[36]" کیونکہ صدقہ مالدار کے لیے تحفہ ہے" ان تمام اقوال سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ بلاواسطہ سودی نظام سے حاصل ہونے والی اجرت بھی اس حدیث کے حکم میں شمار سمجھی جائے گی اور ملازمین کا اسے بلاشک و شبہ استعمال کرنا جائز قرار دیا جائے گا۔

خدمات فراہم کرنا

---

[32] بدرالدین عینی، عمدۃالقاری شرح صحیح بخاری، 96:14۔

[33] احمد بن علی، ابن حجر عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح بخاری (بیروت، دارالمعرفہ، 2000)5:105۔

[34] شمس الحق عظیم آبادی، عون المعبود شرح السنن ابن داؤد (لاہور: مکتبہ اسلامیہ، 1999م)، 2:23۔

[35] ابی بکر بن مسعود الکاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (بیروت: دارالمعرفہ، 1992م)، 2:48۔

[36] ابن نجیم، البحر الرائق، 2:263۔

اس نظام سے متعلق ایک شبہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ایسے ادارے کو خدمات فراہم کی جائیں جو براہ راست اس نظام میں ملوث ہ، وجیسے بلڈنگ کرایہ پر دینا، بجلی کی ترسیل، ذرائع نقل وحمل کی سہولت، تو کیا یہ چیز سود کی اعانت کرنے والے کے حکم میں شمار ہوگی؟ اس مسئلے پر امام مرغینانی اپنی رائے دیتے ہوئے فرماتے ہیں: وَمَنْ أَجَّرَ بَيْتًا لِيُتَّخَذَ فِيهِ بَيْتُ نَارٍ أَوْ كَنِيسَةٌ أَوْ بِيعَةٌ أَوْ يُبَاعُ فِيهِ الْخَمْرُ بِالسَّوَادِ فَلَا بَأْسَ بِهِ[37] "جو کوئی مکان کرایہ پر دے اور کرایہ دار اس میں بت خانہ، کلیسا یا شراب خانہ بنالے تو اس مکان دینے والے پر کوئی گناہ نہیں ہے۔" امام سرخسی فرماتے ہیں: لابأس بان یواجر المسلم داراً امن الذمی لیسکنها فان شرب فیها الخمر اوعبد فیها الصلیب اوادخل فیها الخنازیرلم یلحق للمسلم اثم فی شی من ذلک لأنه لم یؤاجرها لذلک والمعصیة فی فعل المستأجر دون قصد رب الدار فلا اثم علی رب الدار فی ذلک-[38] ابن عابدین شامی نے بھی اسی نقطہ نظر کی توثیق فرمائی ہے : قال في الخانية ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لا بأس به لأنه لا معصية في عين العمل۔[39] لہذا مسلم وغیر مسلم کو رہائش، کاروبار کے لیے مکان، بلڈنگ کرایہ پر دینا جائز ہے اگرچہ اسکا ذریعہ معاش حرام یا مشتبہ ہی کیوں نہ ہو۔

غیر مسلم کے ساتھ مالی معاملات

بعض اوقات صورت حال ایسی پیدا ہوتی ہے کہ جس سے ہم کاروباری شراکت، مالی معاملات کالین دین کر رہے ہیں، اس کے بارے میں ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سرمایہ مشتبہ ہے، اس نے لون لیا ہے، یا یہ غیر مسلم ہے اور نہ جانے کن کن ذرائع سے مال اکھٹا کیا ہے، ایسے میں اگر اس سے کاروباری شراکت/ملازمت کی جائے تو حاصل محنت کیا مشتبہ ہوگی؟ اسوہ حسنہ اوراحادیث نبویہ ﷺ سے مستنبط ہوتا ہے کہ حاصل منافع مشتبہ نہیں بلکہ جائز ہوگا، کیونکہ رسول اکرم ﷺ واصحاب نبوی ﷺ غیر مسلموں خصوصا یہود سے جو سودی کاروبار میں شہرت رکھتے مالی معاملات کالین دین کیا کرتے تھے، جیسا کہ زید بن سعنہ یہودی سے کسی موقع پر آپ ﷺ نے قرض لیا تھا، واپسی کی ایک تاریخ متعین تھی، لیکن وہ مقررہ تاریخ سے تین دن پہلے ہی قرض کا تقاضا کرنے آگیااور گستاخانہ انداز میں شانۂ مبارک سے چادر کھینچتے ہوئے بدزبانی شروع کردی۔ بالاخر اخلاق کریمہ سے متاثر ہو کر مشرف باالاسلام ہوا۔[40] ایک دوسری حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: **ان النبی صلی الله علیه وسلم اشتری طعاما من یهودی الی اجل ورهنه درعه من**

---

[37] برہان الدین مرغینانی، الہدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی (کراچی: ادارہ تحقیقات اسلامیہ، 2005م) 4: 94، ابی بکر محمد بن اسہلسرخسی، المبسوط (بیروت: دارالمعرفہ، 2007م), 6: 309؛ خالد سیف اللہ رحمانی، جدید فقہی مسائل (لاہور: ادارہ تحقیقات اسلامیہ، 2002)، 1: 247۔

[38] الشیخ نظام وجماعۃ من علماء الہندیہ، الفتاویٰ الہندیہ (بیروت: دایر الفکر، 2004)، 4: 450۔

[39] شامی، ردالمختار 4: 263۔

[40] ابوعبداللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبری (بیروت: دارالمعرفہ، 2000م) 2: 231۔

حدید [41]"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے ایک مدت کے لیے غلہ خریدا اور اس کے پاس اپنے لوہے کی ذرہ رہن رکھی۔ "اس کے علاوہ حضرت بلال بن رباح نبی مکرم ﷺ کے لیے یا آپ ﷺ کی ہدایت پر کسی سائل /مفلوک الحال کی نگہداشت کے لیے مدینہ میں بسنے والے یہود سے قرض لیتے تھے۔ بعض اوقات کوئی چیز رہن یا گروی بھی رکھوائی جاتی حتی کہ ایک دفعہ بلال بن رباح نے اپنی آزادی یہودی کو رہن رکھوا دی۔[42]اس سے معلوم ہوا کہ کفار سے مالی معاملات حتی کہ قرض کا لین دین بھی جائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کا مال مخلوط ہو اس کی کمائی حرام بھی ہو حلال بھی اس سے کاروباری شراکت ،قرض، ہدیہ لینا درست ہے۔ دیکھیں یہود کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے: اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ" یہ بڑے حرام خور ہیں"رشوتیں، سود جوئے بھی ان کی کمائیاں تھیں مگر آقا علیہ الصلاوۃ والسلام نے ان سے قرضے بھی لیے مالی معاملات کا لین دین بھی کیا۔ آپ کے اصحاب نے کاروباری شراکت بھی کی جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے متعلق مروی ہے کہ جب کوئی مسلم و غیر مسلم ان کے پاس امانت رکھوانے آتا تو آپ فرماتے میں امانت نہیں لیتا بلکہ قرضے لیتا ہوں اور اس سے کاروبار کرتا ہوں پھر حاصل نفع و نقصان کو اصول تجارت پر تقسیم کرتا ہوں۔علامہ دقیق العید فرماتے ہیں: ہذا الاثار دلیل علی جواز معاملة الکفار وعدم اعتبار الفساد فی معاملتهم۔[43]" یہ آثار اس بات کی دلیل ہیں کہ کفار سے معاملہ کرنا جائز ہے اور ان کے آپس کے معاملات کے فساد کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔" الحاصل متذکرہ تمام صورتوں میں حاصل ہونے والی اجرت جائز ہوگی کیونکہ وہ حق محنت کا ثمرہ ہے، جیسا کہ بلال بن رباح صفوان بن امیہ کے غلام تھے بعد از قبول اسلام بھی اس کے ہاں کام کرتے تھے، جو سودی قرضے دیا کرتا اور ان سے ملنی والی شرح سود ہی اس یہودی کا منافع ہوتی۔ [44]غزوہ تبوک کے موقع پر ایک صحابی رسول نے رات بھر یہودی کے کھلیان یا باغ کو آبپاشی کی اور صبح ایک سیر کھجوریں جو بطور معاوضہ حاصل ہوئیں بارگاہ نبوت میں پیش فرمائیں آپ ﷺ نے اسے امدادی جمع شدہ سامان کے اوپر سراہتے ہوئے بکھیر دیا۔ [45]سلمان فارسیؓ بعد از قبول اسلام بھی یہودی کے غلام تھے، اور اس سے اجرت حاصل کرتے تھے۔[46] نیز مدینہ کے بازار میں مسلم غیر مسلم تاجر سامان تجارت کی خرید و فروخت کرتے اور مسلمان ان کے ہاں ملازمت اختیار کرتے، لیکن کوئی ایک اثر بھی ایسی نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ غیر مسلم کے ہاں ملازمت یا کاروباری شراکت سے روزی مشتبہ ہوگی۔ فقہائے کرام

---

[41] بن سعد،الطبقات الکبری،2:231۔

[42] بیہقی ابو عبداللہ احمد بن حسیین بن علی،دلائل النبوۃ(بیروت:دالعربیہ،2005م)،رقم الحدیث: 5832۔

[43]ابن دقیق، محمد بن علی بن وہب بن مطیع بن ابی الطاعۃ القشیری،الاحکام (بیروت: دارالعربیہ ،1995م) ،3:196۔

[44] قاضی محمد سلیمان منصور پوری،رحمۃ اللعالمین(لاہور:ادارہ اسلامیات،2003م)،2:34۔

[45] رازی،مفاتیح الغیب،4:123۔

[46]قاضی محمد سلیمان منصور پوری،رحمۃ اللعالمین, 2:34۔

نے اس سے مستنبط کیا ہے کہ مسلمان غیر مسلم سے کاروبار یا ملازمت کرنے میں اشتباہ کا شکار نہ ہوگا، لیکن اگر کسی مسلم سے مالی معاملہ کرے گا تو اعتبار "غلبہ" کا ہوگا جیسا کہ ابو بکر کاسانیؒ فرمان باری تعالی قال اللہ تعالی: ولا تتبدّلوا الخبیث بالطّیب[47] سے یہ مسئلہ مستنبط کرتے ہیں: **الصّورة الأولى: أن يكون الحلالُ عند الغاصب أو كاسب الحرام متميّزاً من الحرام فيجرى على كلّ واحدٍ منهما أحكامُه. وإن أعطى أحداً من الحلال حلّ للآخذ وإن أعطى من الحرام حرُم عليه وإن علم الآخذُ أنّ الحلال والحرام متميّزان عنده ولكن لم يعلَمْ أنّ ما يأخذه من الحلال أو من الحرام فالعبرةُ عند الحنفيّة للغلَبة. فإن كان الغالبُ فى مال المعطى الحرامَ، لم يجُزْ له وإن كان الغالبُ فى ماله الحلال وسِع له ذلك۔**[48] "پہلی صورت یہ ہے کہ حلال غاصب کے پاس ہو یا حرام ذرائع سے کمانے والا حرام مال کو الگ رکھے پس ان پر درج ذیل احکام لاگو ہوں گے اگر وہ حلال سے کسی کو دے تو یہ جائز ہے اور اگر حرام سے دے، یہ لینا جائز نہیں لیکن اگر کوئی یہ نہیں جانتا کہ یہ مالِ حرام سے ہے یا مالِ حلال سے تو امام ابو حنیفہ کے ہاں غلبہ کا اعتبار کیا جائے گا اگر مالِ حرام غالب ہے تو جائز نہیں اور اگر حلال غالب ہے تو لینا جائز ہے۔"

3۔ حلال وحرام کا مجموعہ

فقیہ ابن عابدین آمدن کی ایسی صورت جس میں حلال وحرام مخلوط ہونے کا اندیشہ ہو سے متعلق فرماتے ہیں: **أهدى إلى رجل شيئًا أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال فلابأس إلاّ أن يعلم بأنّه حرام فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدى ولا يجوز قبول هدية أمراء الجور؛ لأنّ الغالب في مالهم الحرمة ، إلاّ إذا علم أنّ اكثر ماله حلال بأن كان صاحب تجارة أو زرع فلا بأس به؛ لأنّ أموال النّاس لا تخلو عن قليل حرام فالمعتبر الغالب۔**[49] "کسی آدمی سے تحفہ یا اضافہ حاصل ہو تو اگر اسکے مال میں حلال کا غلبہ ہے پھر حرج نہیں لیکن اگر اس کے حرام ہونے کا علم ہو یا حرام غالب ہو مناسب ہے ہدیہ قبول نہ کیا جائے، نہ ہی فاحشہ عورت کا ہدیہ قبول کیا جائے اس بھی میں حرام کا غلبہ ہے، لیکن اگر علم ہو کہ اسکا زیادہ تر مال حلال ہے کیونکہ اسکا صاحب تجارت یا کھیتی باڑی کرتا ہے پھر کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ لوگوں کے اموال حرام کی زد سے پاک نہیں ہوتے پس غالب کا اعتبار کیا جائے گا۔"

پراویڈنٹ فنڈ/ڈی۔ایس۔پی فنڈ (Provident Fund/ D.S.P Fund)

ملازمین کو حاصل ہونے والے پراویڈنٹ/ڈی ایس پی فنڈ سے متعلق بھی اشکال پایا جاتا ہے۔ کیا یہ سود ہے یا شرح سود سے حاصل ہونے والا منافع؟ ملازم کی تنخواہ سے پراویڈنٹ فنڈ/ڈی۔ایس۔پی فنڈ کے نام سے ماہانہ ایک متعین رقم کاٹی جاتی ہے، اس کٹوتی کی دو صورتیں ہیں: 1۔ جبری کٹوتی۔ 2۔ اختیاری کٹوتی۔ یہ دونوں قسم کی رقمیں، جب ملازم کی عمر

[47] النساء 2:5۔

[48] عبد الرحمٰن جزیری، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ (بیروت: دار الفکر العربیہ 2000)، 5:98۔

[49] فتاوی الہندیہ (کراچی: اتحاد دیوبند، ادارہ اسلامیاتو 2002م)، 5:396۔

پچاس سال ہو جائے تو وہ وصول کر سکتا ہے، اگرچہ ریٹائر نہ بھی ہوا ہو، اگر اس سے پہلے وصول کرنا چاہے تو کچھ حصہ چند شرائط کے ساتھ قرض کے نام پر وصول کر سکتا ہے، جو تنخواہ سے کاٹ کر واپس لیا جاتا ہے۔ ریٹائر ہونے کی صورت میں یہ فنڈ مکمل واپس ملتا ہے۔ حکومت اس فنڈ پر انٹرسٹ کے نام سے اضافہ کرکے یکمشت ادا کرتی ہے۔[50]

جبری کٹوتی

پراویڈنٹ فنڈ میں جبری کٹوتی پر ملنے والے اضافہ سے متعلق تمام اکابر مفتیان کرام کی متفقہ تحقیق کے مطابق "پراویڈنٹ فنڈ" یا "ڈی۔ایس۔پی فنڈ" کی مد میں ملازم کی تنخواہ سے جبراً کٹوتی ملازم کی خدمت کا معاوضہ وملکیت ہے جو ابھی تک ملازم کے قبضہ میں نہیں آئی اس پر طے شدہ اضافات از قبیل تبرع[51] ہیں۔ موسوعہ فقیہ میں درج ہے: **اتفقت الأمة على مشروعية التبرع، و لم ينكر على ذلك أحد** [52] " تبرع کی مشرعیت پر امت کا اتفاق ہو چکا ہے اور اس کا کسی نے بھی رد نہیں کیا" لہٰذا یہ اماؤنٹ محکمہ کے ذمے ملازم کا قرض (دین) ہے اور ملازمت سے فراغت کے بعد ملازم اپنا دینو وصول کرنے کا حق رکھتا ہے[53] ابو القاسم الحسین بن محمد اصفہانی فرماتے ہیں: **الربا: الزيادة على رأس المال لكن خصّ في الشرع بالزيادة على وجه دُون وجه**[54] "اصل مال پر زیادتی سود ہے لیکن شریعت میں ہر زیادتی سود نہیں بلکہ وہ اضافہ جو مشروط ہو۔" مرتضیٰ زبیدی فرماتے ہیں: **الرِّبا رَبَوان فالحرام كُلّ قَرْض يُؤْخذ به أكثر منه أو تجرُّ به مَنْفعة فحرام والذي ليس بحرام أن يَهبه الانسان يَسْتَدعي به ما هو أكثر أو يُهدي الهدِيَّة لِيُهدَى له ما هو أكثر منها**[55] "زیادتی دو طرح کی ہے: حرام وہ ہے جو قرض کے ساتھ وصول کیا جائے یا اس سے فائدہ (بطور شرط) حاصل کیا جائے۔ حرام وہ نہیں جو مقروض مدت مقررہ پر اصل رقم سے زائد بطور ہبہ کچھ اضافی مال قرض خواہ کو غیر مشروط طور پر دیدے۔" گویا قرض دیئے ہوئے اصل پر مدت کے مقابلہ میں شرط اور تعیین کے ساتھ لی جانے والی زیادتی انٹرسٹ ہے۔ پراویڈنٹ فنڈ کے معاملہ میں ایسا نہیں اس لیے اسکی وصولی درست ہے۔

---

[50] The Provident Funds Act, 1925 (Act No. XIX of 1925

[51] بغیر کسی معاوضے کے کسی کو کوئی چیز دے دینا" تبرع" کہلاتا ہے، اس طور پر کہ دینے والے پر اس شے کا دینا (عطیہ کرنا) لازم بھی نہ ہو۔ (التعریفات، 1:319)۔

[52] الموسوعۃ الفقھیۃ، 10:66۔

[53] مفتی محمد شفیع، پراویڈنٹ فنڈ (کراچی، دار الاشاعت اردو بازار 2009م)، ص:38؛ اشرف علی تھانوی، امداد الفتاوی (لاہور، ادارہ تحقیقات اسلامیہ، 2009)، 2:135۔

[54] ابو القاسم الحسین بن مفضل اَصفہانی، المفردات فی غریب القرآن (بیروت: دار المعرفۃ، 2000م)، 1: 187؛ محمد بن احمد الأزہری تہذیب اللغۃ (بیروت: دار احیاء التراث العربی 1421ھ)، 15: 196۔

[55] ابن منظور، لسان العرب، 14: 304؛ زبیدی، تاج العروس، 38: 118۔

اختیاری کٹوتی

پروویڈنٹ فنڈ میں اختیاری کٹوتی کی صورت میں شبہ ہے کہ لوگ اسے سود خوری کا ذریعہ بنالیں، اس لیے اضافات سے اجتناب بہتر ہے، چاہے محکمے سے وصول ہی نہ کریں یا وصول کرکے صدقہ کرلیں البتہ اصل رقم لینا درست ہے،[56] نیز جو رقم محکمہ ملازم کو اس کے فنڈ سے بوقتِ ضرورت بنامِ قرض دیتا ہے، پھر اس کی تنخواہ سے قسط وار اتنی ہی رقم اور کچھ مزید رقم جو بنام سود ہوتیہے، کاٹ کر مجموعہ اسی ملازم کے فنڈ میں جمع کردیتا ہے۔یہ معاملہ اگرچہ انٹرسٹ کے نام سے کیا جاتا ہے ، لیکن شرعی نقطہ نظر سے یہ قرض نہیں کیونکہ اس نے اپنی جمع شدہ کمائی کا ایک حصہ وصول کیا اور جو کٹوتی بنام انٹرسٹ ہوئی وہ شرعاً سود نہیں کیونکہ سود دوسرے کو دیا جاتا ہے اور یہاں یہ رقم ملازم ہی کو واپس مل جاتی ہے ، لہٰذا مذکورہ طریقہ سے قرض لینے کی شرعاً گنجائش ہے۔[57] یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اگر کوئی اپنے "پراویڈنٹ فنڈ" یا"ڈی۔ایس۔پی فنڈ" کی درخواست کسی انشورنس کمپنی وغیرہ میں منتقل کرادے جیسا کہ بعض سرکاری محکموں میں ہوتا ہے تو یہ ایسا ہے جیسے خود وصول کرکے انشورنس کمپنی وغیرہ کو دیا، یہ قطعاً حرام ہے، کیوں کہ اس صورت میں بیمہ کمپنی وغیرہ اس کی وکیل ہو جاتی ہے اور وکیل کا قبضہ شرعاً مؤکل کا قبضہ ہے لہٰذا فنڈ کی رقم پر قبضہ کے بعد اس پر سود لینا حرام ہے۔

ویلفیر/بینویلینٹ فنڈ

وہ فنڈ جس سے ملازمین کی بھلائی، فلاح و بہبود مشکلات میں مدد مقصود ہوتی ہے۔اصطلاح میں ہر ماہ خاص شرح سے تنخواہ سے کٹوتی جو ملازم کے اکاؤنٹ پر جمع ہوتی رہتی ہے۔ بینک بینویلینٹ فنڈ بورڈ کی اجازت سے اس سے سرمایہ کاری کرکے حاصل نفع اس میں جمع کرتا رہتا ہے ، حکومت بھی تبرع کرتی ہے پھر طے شدہ حدود و قیود کے تحت(انڈر گریجویٹ بچوں (زیادہ سے زیادہ دو) کے لیے کم سے کم ساٹھ فیصد نمبر حاصل کرنے پر سکالرشپ کا ملنا، میرج گرانٹ فنرل گرانٹ ، ملازمین کے قریبی لواحقین کو وفات کے بعد ماہانہ کفالت الاؤنس ملنا وغیرہ) ملازم دورانِ سروس بوقتِ ضرورت اسے حاصل کرسکتا ہے[58]، یہ وصولی سے دوگنا، تین یا اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔اصل رقم کا لینا بلا شک و شبہ جائز ہے، لیکن اشتباہ اس وقت پیدا ہوتا ہے،جب بینک اور حکومت کی طرف سے اضافہ اس میں شامل ہو کیونکہ اس اضافے کا ذریعہ سود ہی ہے۔کیا یہ فنڈ لینا ملازم کے لیے جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بینویلینٹ فنڈ کی رقم ابھی ملازم کی ملکیت نہیں اور جو چیز ملکیت نہیں آپ کے پاس اس کی انویسٹمنٹ کا اختیار نہیں ،اس کے سبب ملنے والا نفع ربا نہیں بلکہ ہدیہ ۔ مشہور حنفی فقیہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:**الربا هو فضل خال عن عوض مشروط لاحد المعاقدين فی**

---

[56] غلام رسول سعیدی، شرح صیحیح مسلم (کراچی: مکتبہ دارالاسلام،2005م)2:899۔

[57] مفتی محمد شفیع، پراویڈنٹ فنڈ پر مسئلہ سود اور زکوۃ، 50؛ اشرف علی تھانوی، امداد الفتاوی، 3:111۔

[58] http://punjablaws.gov.pk/laws/123.html

المعاوضة فليس الفضل في الهبة ربا[59] "ربا وہ اضافہ ہے جو معاہدین میں سے کسی ایک کے لیے معاوضہ میں مشروط عوض سے خالی ہوتا ہے لیکن ہبہ میں جو اضافہ ملتا ہے وہ سود میں شمار نہیں ہوتا۔" اور جو رقم محکمہ کی جانب سے امداد کے لیے شامل کی جاتی ہے وہ تبرع کے حکم میں شامل ہو گی جیسا کہ موسوعہ فقیہ میں درج ہے **التبرع بذل المكلف مالا او منفعة لغيره في الحال أو ابو المآل بلا عوض بقصد البر والمعروف غالباً**[60] " تبرع مکلّف کو ملنے والا وہ مال یا منفعت وغیرہ ہے جو بغیر کسی معاوضے کے نیکی کے ارادے سے معروف طریقے سے اسے دیا جاتا ہے۔"

گروپ انشورنس: ملازمین کی تنخواہ سے دیگر کئی کٹوتیوں میں سے ایک کٹوتی گروپ انشورنس کے نام سے ہوتی ہے۔ گروپ انشورنش کیا ہے؟اس کے بارے میں علما کا کہنا ہے: **هو تامين اجبارى تقوم به او تشرف عليه وتعنيه الدولة ضد اخطار معينة يتعرض لها اصحآب الحرف ونحوهم،حيث تقوم به الدولة لمصلحه الموظفين والعمال فتومنهم من اصابات العمل والمرض،والعجز،والشيوخةويساهم فيه الى جانب الموظفين والعمال اصحاب العمل والدولةذاتها التى تتحمل العب الاكبرحيث تتولى تنظيمه و ادارة شوؤنه ولا تقصد من وراء ذلک تحقيق الارباح**[61] **هو نظام يضمن لكل موظف فى الدولة بلغ الشيوخة او استغنى عنه مرتبا عن خزينة الدولة،يختلف مقداره بحسب المدته الوظيفة ويستمر مدى الحياة الموظف المتقاعدوينتقل الى اسرته من ازواج و اولاد بترتيب وشرائط مخصوصة**[62] "جبری تامین جو آپ کرتے ہیں یا اس کی نگرانی اور ملک کی اعانت کرتے ہیں برعکس ہے اختیاری کے، کیونکہ اس میں حکومت عوام کی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے امن دیتی ہے عمل، مرض ،لاچاری، بڑھاپے میں اور وہ اپنا حصہ ڈالتی ہے مستاجر کی کمائی میں کیونکہ حکومت ہی اس کی ذمہ دار ہے۔ "وہ ایسا نظام ہے جو ضمانت دیتا ہے ہر مستاجر کے لیے بڑھاپے میں ملکی خزانے سے ایک خاص مقدار سے مدد کا جس کا دارومدار مدت ملازمت پر ہوتا ہے اور جاری رہتا ہے ملازم کی مدت حیات میں پھر منتقل ہو جاتا ہے اسکی ازواج و اولاد میں بالترتیب مخصوص شرائط کیساتھ۔" اس گروپ انشورنش کی حلت وحرمت سے متعلق فقہاے اسلام کے دو مذاہب ہیں۔ ایک کے مطابق انشورنس یا گروپ انشورنس "سود، جوا، غرر، جہالت" پر مبنی ہے، جو قرآنِ کریم کی واضح اور قطعی نصوص سے حرام ثابت ہیں[63] کسی زمانے کی کوئی مصلحت ،اس حرام کو حلال نہیں کر سکتی کہ : كل شيءٍ فيه قمار فهو من

---

[59] ابن عابدین، ردالمحتار، 7:398، المرغینانی، الہدایۃ، 4:28

[60] وزارۃالاوقاف والشؤون، الموسوعۃالفقہیۃ (کویت وزارۃالاوقاف والشؤون، 1983م)، 10:65۔

[61] حسام الدین کامل الاھوانی، اصول قانون التامین الاجتماعی (الجزیرۃ: ادار ابو مجد للطباعۃ، 20009م)، 7۔

[62] عبداللطیف محمود، آل محمود، التامین الاجتماعی فی ضوءِ الشریعۃالاسلامیۃ، (بیروت: دار النفائس، 1994م)، 114۔

[63] انشورنس میں "سود" اس اعتبار سے ہے کہ حادثہ کی صورت میں جمع شدہ رقم سے زائد رقم ملتی ہے اور زائد رقم سود ہے، اور "جوا" اس اعتبار سے ہے کہ بعض صورتوں میں اگر حادثہ وغیرہ نہ ہو تو جمع شدہ رقم بھی واپس نہیں ملتی، انشورنس کمپنی اس رقم کی

المیسر[64] "ابن سیرین سے روایت کہ ہر وہ چیز جس میں جوا ہو وہ میسر ہے۔" حدیثِ نبوی میں ہے: لَا یَحِلُّ لِامْرِئٍ مِنْ مَالِ أَخِیهِ شَيْءٌ إِلَّا بِطِیبِ نَفْسٍ مِنْهُ[65] "کسی آدمی کے لیے جائز نہیں ،اپنے بھائی کا مال کھائے مگر پاکیزہ طریقے سے۔" فتاوی شامی میں ہے: **لأن القمار من القمر الذي يزداد تارةً وينقص أخرى، وسمي القمار قماراً ؛ لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه، ويجوز أن يستفيد مال صاحبه وهو حرام بالنص**[66] " کیونکہ قمار لگاتار بڑھتا ہے اور آخر میں گھٹ جاتا ہے اور مقامرین جو اپنے صاحب کے مال سے مستفید ہوتے ہیں وہ نص کی روشنی میں حرام ہے۔" الغرض اس گروہ کے مطابق اگرچہ متعلقہ محکمہ تنخواہ سے جبراً کٹوتی کرتا ہے لیکن ر با سے ہی نفع کماتا ہے معاًملازم کو نارمل حالات میں یہ رقم نہیں ملتی بلکہ اس کی معذوری یا موت کیساتھ مشروط ہوتی ہے ۔ لہٰذا تمام صورتوں میں دھوکہ اور جہالت پر مبنی پالیسی کے باعث شرعا جائز نہیں ۔ دوسرے گروہ کے مطابق اگر ادارہ جبراکٹوتی کرکے خود اسے انشورنس کمپنی کو جمع کرواتا ہے اور حاصل نفع اپنے اکاؤنٹ میں جمع رکھتا ہے،ملازم کی وفات کے بعد لواحقین کے حوالے بھی خود ہی کرتا ہے پھر لواحقین کے لیے یہ "تبرع" جائز ہے، کیونکہ ملازم کی ملکیت میں جو چیز نہیں وہ اس کا جوابدہ نہیں ہاں اگر لواحقین کو یہ رقم خود جاکر انشورنس کمپنی سے لینی پڑے تو پھر اسقدر ہی جائز ہے جتنی کاٹی گئی جیسا کہ مجمع البحوث الاسلامیہ کی جامعہ ازہر میں 1385ھ منعقدہ کانفرنس میں اس پر اتفاق کیا گیا کہ: **نظام المعاشات الحكومى وما يشبه بهن نظام الاجتماعى المتبع فى بعض الدول و نظام التامينات الجتماعية المتبع فى دول اخرى ،وكل هذا من اعمال جائزة[67]ان هذا التامين الاجتماعى بجمع صورة جائزللموظف ليس فيه حرج شرعى،لانه يجتمع مقاصد الشريعة الاسلاميةالتى تدعوا الى التكافلالاجتماعى على اساس من التبرع** [68] "حکومتی معاشی نظام اور جو مختلف ممالک میں اجتماعی کفالت کا نظام رائج ہے سب جائز ہے بیشک گروپ انشورنس کی یہ شکل ملازم کے لیے جائز ہوگی اسمیں کوئی شرعی عذر نہیں کیونکہ یہ تبرع کے اصول پر شریعت کے اجتماعی کفالت کے نظام پر مبنی ہے۔"استاذ ابو زہرہ فرماتے ہیں: **فاالتامينات الجتماعية التى تقوم بها الدولةصحيحةمباحة ليس لنا اعتراض عليهاولا مانع من جواز التامين الاجتماعى ضد الطوارى**

مالک بن جاتی ہے اسی طرح اس میں جہالت اور غرر (دھوکا) بھی پایا جاتا ہے، اور جہالت اور غرر والے معاملہ کو شریعت نے فاسد قرار دیا ہے، لہٰذا انشورنس کرنا اور کرانا اور انشورنس کمپنی کا ممبر بننا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

[64] ابو بکر بن ابی شیبہ ،المصنف (القاہرہ:الجتماعیۃ،مطبعۃ مخیمرہ،2000م) ,4:483۔

[65] مسلم،الجامع الصحیح،2:313۔

[66] شامی، ردالمختار،6:403۔

[67] سمیر عبدالسید تناغو، نظام التامینات (القاہرہ،الجتماعیۃ، مطبعۃ مخیمرہ،2003)، 4۔

[68] جاد الحق علی جاد الحق، بحوث و فتاوی اسلامیہ فی قضایا معاصر، الامانۃ العامۃ للجنۃ العلیاللدعوۃ الاسلامیہ،1994)، 2 :420-422۔

،العجز،والشیوخة والمرض والبطالةوالتقاعدعن العمل الوظیفی،لان الدولةمطالبة برعایة رعا یاھا،ومسؤلة عنھم فی مثل ھذا الاحوال ولخلوہ من الربا والغرروالمقامرة[69] "تامین اجتماعی جو اسلامی اصولوں کے مطابق ہو اس میں ہمارے لیے کوئی اعتراض نہیں یہ ایمر جنسی،لاچاری،بڑھاپا،مرض،بے روزگاری،ملازمت سے ریٹائر منٹ میں مددگار ہے،جواز کی کوئی ممانعت نہیں کیونکہ ریاست کو اپنے شہریوں کی دیکھ بھال کرنے کی ضرورت ہے اور جوابدہ ہے ان حالات میں اور اس لیے بھی کہ یہ سود،دھوکہ اور جوا سے پاک ہے۔" دونوں مکاتب فکر کے دلائل سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ خوشحالی ،آسودگی میں تو گروپ انشورنس کی اجازت نہ ہوگی لیکن اگر انسان" فمن اضطر غیر باغ ولا عاد" کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے پھر کراہت کیساتھ اجازت ہوگی۔

خلاصۂ بحث

ذرائع معاش کے وہ سارے اسباب جو مشتبہات یا حرام کے قریب کردیں ان سے گریز کرنا لازم ہے۔ دین میں اگرچہ آسانی کا حکم ہے، لیکن آسانی کے حصول کے لیے شریعت میں افراط و تفریط کی قطعاً اجازت نہیں۔ مروج نظام اجرت میں سود کی مختلف مخلوط صورتوں سے بچنے کے لئے چند گزارشات بیان کی جاتیں ہیں: 1۔بینو یلینٹ فنڈ کٹوتی محکمہ یا بنک نفع ونقصان میں اشتراکی اصول کی بنیاد پر کاروبار میں لگا کر حاصل منافع ملازم کے اکاؤنٹ میں جمع کر دے۔2۔ گروپ انشورنس پالیسی اسلامی اصولوں کے مطابق نافذ ہو پالیسی کو ملازم کی موت، معذوری یا ناگہانی حالات سے ہی مختص نہیں رکھنا چاہیے۔3۔ بینو یلینٹ فنڈ کٹوتی شرح سود سے پاک ہو تمام ملازمین کے لیے مشکل وقت میں اسے لینا ممکن ہو اگر کوئی عرصہ ملازمت میں نہیں لیتا تو ریٹائر منٹ کے وقت یہ رقم اس کا حقِ محنت ہے اسے ملنی چاہیے اسے اس کی موت یا ناگہانی حالات سے مشروط نہیں ہونا چاہیے۔4۔ بنک یا متعلقہ محکمہ قرضِ حسنہ کے لیے انٹرسٹ سے پاک پالیسی وضع کریں کیونکہ ملازمین کے لیے عموما لون لینا ناگزیر ہوتا ہے۔اس کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ملازمین کے لیے متعلقہ محکمہ ہر بنک میں ایک کھاتہ مختص کر دے جس میں ملازمین کی ہی کٹوتیاں جمع ہوتی رہیں اور جب کسی ملازم کو قرض کی ضرورت ہو ان جمع شدہ رقوم سے ہی بلا سود قرض دیا جائے۔

---

[69] ربیع الروبی، المنھج الاسلامی فی الادخار والاستثمار، ندوۃ التربیۃ الاقتصادیۃ والانمانیۃ فی الاسلام (مصر: جامعہ ازہر، مرکز صالح کامل ،2002م)، 12۔